اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَمَنْ اَرَادَالْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا

(بنی اسرائیل:19)

وقال رسول اللہ ﷺ

اَلدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَلَہٗ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَہٗ وَلَھَا یَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَہٗ

او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا داروں کے لئے لفظ ''جناب'' کا تحفہ:۔

اردو زبان کے کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ ان کا ہر ہر حرف بڑا بامعنٰی ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ایک جگہ پر کچھ انگریزی خواں لوگ تھے۔وہ دینی طلبہ کو بہت تنگ کرتے تھے۔وہ عربی مدارس کے طلباء کو کبھی قربانی کا مینڈھا کہتے ،کبھی کچھ کہتے کبھی کچھ کہتے ،ایک دن وہ سب طلباء مل بیٹھے اور کہنے لگے کہ ان انگریزی خواں لوگوں کے لئے کوئی ایسا لفظ بنائیں جس میں ان کی ساری صفات آجائیں۔انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان میں ہوتا کیا کچھ ہے۔

ایک نے کہا کہ ان میں بڑی جہالت ہوتی ہے۔

دوسرے نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نالائق ہوتے ہیں۔

تیسرے نے کہا کہ یہ بڑے احمق ہوتے ہیں۔

چوتھے نے کہا یہ تو بڑے بےوقوف ہوتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں،ہم ان چاروں الفاظ کے پہلے پہلے حرف کو لے کر

ایک لفظ بناتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک لفظ بنایا ’’جناب‘‘

’’ج‘‘ سے جاہل

’’ن‘‘ سے نالائق

’’الف‘‘ سے احمق اور

’’ب‘‘ سے بے وقوف

اس کے بعد انہوں نے ہر انگریزی خواں کو جناب کہنا شروع کر دیا۔ یہ لفظ ایسا مشہور ہوا کہ آج کسی کو پتہ ہی نہیں کہ یہ بنا کیسے تھا۔ سب ایک دوسرے کو جناب کہتے پھرتے ہیں۔ آج عرف عام میں جناب بمعنی بارگاہ ہے جیسا کہ حضرت بمعنی بارگاہ ہے۔ جناب اور حضرت یہ دونوں الفاظ اعزازی بن گئے ہیں۔

لفظ دشمن کی وجۂ ترکیب:

جس طرح اس لفظ کا ہر ہر لفظ بامعنٰی ہے اسی طرح لفظ ’’دشمن‘‘ کا بھی ہر ہر حرف بامعنٰی ہے۔ جناب کا لفظ تو طلباء نے شرارت کی وجہ سے بنایا مگر دشمن کا لفظ اہل اللہ نے دلوں کی طہارت کی نیت سے بنایا۔ دشمن کے لفظ میں بھی چار حروف ہیں اور انسان کے دشمن بھی چار ہیں۔

’’د‘‘ سے دنیا

’’ش‘‘ سے شیطان

’’م‘‘ سے مخلوق

’’ن‘‘ سے نفس

آئندہ کی محفلوں میں ان چاروں دشمنوں کے بارے میں تفصیل بیان کی جائے گی۔ اس لئے کہ جب تک انسان کو اپنے دشمن کا پتہ ہی نہ ہو وہ اس وقت تک اس کے وار سے بچ نہیں سکتا۔ دشمن اس کو ہلاک

کر دے گا۔ کیونکہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کرنے والے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ چونکہ دنیا، شیطان مخلوق اور نفس انسان کی آخرت کے دشمن ہیں اس لئے یہ دشمن اور بھی زیادہ بڑے اور خطرناک دشمن ہیں۔

آج کا عنوان ہے "دنیا"۔ یعنی ترک لذات دنیا۔ دنیا کی لذتیں ہمیں اپنے پیچھے ایسے لگا لیتی ہیں کہ ہمیں اپنے رب سے غافل کر دیتی ہیں۔ انسان دنیا کی لذتوں میں پڑ کر اس بات کو بھول جاتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کیا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ کے نزدیک دنیا کی مثال:

امام غزالیؒ نے یہ بات بڑے اچھے انداز میں سمجھائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جا رہا تھا۔ ایک شیر اس کے پیچھے بھاگا۔ اس کے قریب کوئی درخت بھی نہیں تھا کہ جس پر وہ چڑھ جاتا۔ اسے ایک کنواں نظر آیا۔ اس نے سوچا کہ میں کنویں میں چھلانگ لگا دیتا ہوں، جب شیر چلا جائے گا، تو میں بھی کنویں سے باہر نکل آؤں گا۔ جب اس نے نیچے چھلانگ لگانے کے لئے دیکھا تو اسے کنویں میں پانی کے اوپر ایک کالا ناگ تیرتا ہوا نظر آیا۔ اب پیچھے شیر تھا اور نیچے کنویں میں کالا ناگ تھا۔ وہ اور زیادہ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اب میں کیا کروں۔ اسے کنویں کی دیوار پر کچھ گھاس اگی ہوئی نظر آئی۔ اس نے سوچا کہ میں اس گھاس کو پکڑ کر لٹک جاتا ہوں، نہ اوپر رہوں کہ شیر کھا جائے اور نہ نیچے جاؤں کہ سانپ ڈسے، میں درمیان میں لٹک جاتا ہوں جب شیر چلا جائے گا تو میں بھی باہر نکل آؤں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید چوہا دونوں اسی گھاس کو کاٹ رہے ہیں جس گھاس کو پکڑ کر وہ لٹک رہا تھا۔ اب اسے اور زیادہ پریشانی ہوئی۔ اس پریشانی کے عالم میں جب اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اسے قریب ہی شہد کی مکھیوں کا ایک چھتہ نظر آیا۔ اس پر مکھیاں تو نہیں تھیں مگر وہ شہد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ چھتہ

دیکھ کر اسے خیال آیا کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ اس میں کیسا شہد ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاتھ سے گھاس کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی پر جب شہد لگا کر چکھا تو اسے بڑا مزہ آیا۔ اب وہ اسے چاٹنے میں مشغول ہو گیا۔ نہ اسے شیر یاد رہا نہ ناگ یاد رہا اور نہ ہی اسے چوہے یاد رہے، سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

یہ مثال دینے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اے دوست! تیری مثال اسی انسان کی سی ہے۔

ملک الموت شیر کی مانند تیرے پیچھے لگا ہوا ہے،

قبر کا عذاب اس سانپ کی صورت میں تیرے انتظار میں ہے،

کالا اور سفید چوہا، یہ تیری زندگی کے دن اور رات ہیں،

گھاس تیری زندگی ہے جسے چوہے کاٹ رہے ہیں،

اور یہ شہد کا چھتہ دنیا کی لذتیں ہیں جن سے لطف اندوز ہونے میں تو لگا ہوا ہے، تجھے کچھ یاد نہیں، سوچ کہ تیرا انجام کیا ہوگا۔

واقعی بات یہی ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں پھنس کر اپنے رب کو ناراض کر لیتا ہے۔ کوئی کھانے پینے کی لذتوں میں پھنسا ہوا ہے اور کوئی اچھے عہدے اور شہرت کی لذت میں پھنسا ہوا ہے، یہی لذتیں انسان کو آخرت سے غافل کر دیتی ہیں۔ اس لئے جہاں ترک دنیا کا لفظ آئے گا اس سے مراد ترک لذات ہوگا۔

امت محمدیہ ﷺ کے فقراء کا مقام:

ہمارے مشائخ نے دنیا کے بارے میں عجیب عارفانہ کلام فرمایا کہ

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَحَرَامُهَا وَبَالٌ اس دنیا کا حلال ہو تو اس کا حساب دینا ہوگا اور اگر حرام ہو تو وہ انسان کے لئے وبال ہوگا۔

اسی لئے نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے فقراء میری امت کے امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کو دنیا میں تھوڑا ارزق دیا گیا اور انہوں نے صبر و شکر سے وقت گزارا جبکہ دوسروں کو خوب مال ملا اور من پسند کے کھانے کھائے۔

یاد رکھیں کہ آخرت کا ایک دن دنیا کے ستر ہزار سالوں کے برابر ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پچاس ہزار سالوں کے برابر ہے۔ اب اگر ایک دن پچاس ہزار سالوں کے برابر بھی ہو اور فقراء پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو اس دن امیر لوگ یہ تمنا کریں گے، کاش! ہم بھی دنیا میں فقیر ہوتے۔ فطوبیٰ للغرباء

دنیا اور آخرت میں آسائش کا معاملہ:

بعض اوقات مال کی وجہ سے انسان میں ''مَیں'' آجاتی ہے۔ اس کی آواز میں مال کی جھنکار شامل ہو جاتی ہے۔ کئی امیر لوگ تو فرعون بن جاتے ہیں اور وہ خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مال دار ہونے کے باوجود عاجزی کرے گا اور وہ اللہ رب العزت کے قرب کے حصول کے لئے نیک بنے گا تو وہ غریبوں پر بھی فضیلت پا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے جو دنیا میں نرم بستروں پر رہتے ہوں گے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بچھونے عطا فرما دیں گے۔

فقرائے مدینہ کی پریشانی:

ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام کے پاس فقرائے مدینہ آئے۔فقرائے مدینہ سے مراد اصحاب صفہ ہیں جن میں سے کسی کے جسم پر پورا کپڑا ہوتا تھا اور کسی کے جسم پر پورا کپڑا بھی نہیں ہوتا تھا، فقط ستر چھپانے کا کپڑا ہوتا تھا۔صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھتے تھے تا کہ ہمارے ننگے بدنوں پر محبوبﷺ کی نظر نہ پڑ جائے۔

ان فقراء نے نبی علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کیا، اے اللہ کے نبیﷺ! اللہ رب العزت نے ہمیں جس حال میں رکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں مگر ہم فکرمند ہیں کہ مالدار صحابہ اعمال میں ہم سے آگے بڑھ گئے۔ کیونکہ وہ مالی عبادات کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی آخرت کے بڑے درجات ملیں اور ان سے آگے بڑھ جائیں، اس لئے ہمیں کچھ بتا دیجئے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ،تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، ان کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں بلند مرتبے عطا فرما دیں گے۔

صحابہ کرامؓ آخرت میں بلندی ءدرجات کا یہ نسخہ پا کر بڑے خوش ہوئے۔اب انہوں نے نمازوں کے بعد چپکے چپکے سبحان اللہ ، الحمدللہ ، اللہ اکبر پڑھنا شروع کر دیا۔وہ امیر صحابہؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے فراخی عطا فرمائی تھی ان کا بھی اللہ رب العزت کی طرف رجوع تھا۔انہوں نے جب دیکھا کہ کوئی ادھر بیٹھ کر پڑھ رہا ہے اور کوئی ادھر،تو سوچا کہ آخر کوئی بات تو ہے۔ چنانچہ کھود کرید کرنے کے بعد انہیں پتہ چل گیا اور انہوں نے بھی عمل کرنا شروع کر دیا۔

جب ان فقراء صحابہؓ کو پتہ چلا کہ ان امراء صحابہ نے بھی عمل کرنا شروع کر دیا ہے تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ہم ان امراء سے کیسے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے بلندی ءدرجات کا جو نسخہ ہمیں ارشاد فرمایا تھا وہ تو امیر لوگ بھی کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (الجمعۃ:۴) یہ تو پھر اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے وہ عطا کر دے۔

گویا نیکی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ زیادہ رزق عطا فرمائیں تو یہ اس کا فضل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مال دنیاداری، تکبّر، شہرت اور ریاکاری کا سبب بنے تو پھر انسان کے لئے وبال ہے۔ اس لئے اس عنوان کو کھول کر بیان کرنا بہت ضروری ہے تاکہ انسان افراط وتفریط سے بچ جائے۔

تمام برائیوں کی جڑ:

حدیث پاک میں فرمایا گیا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ دنیا کی محبّت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ ہمارے مشائخ نے مطلب سمجھانے کی خاطر اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے چند الفاظ اور بڑھا دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَ تَرْكُهَا مِفْتَاحُ كُلِّ فَضِيْلَةٍ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اس کا ترک کر دینا ہر فضیلت کی کنجی ہے۔

ترک دنیا کا مطلب:

دنیا کو ترک کر دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی، بچوں اور ماں باپ کو چھوڑ کر غار میں مصلّٰے بچھا کر عبادت شروع کر دی جائے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اور بنی اسرائیل نے جو رہبانیت اختیار کی تھی اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا: وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (الحدید:27) اور رہبانیت تو بدعت تھی جو ان عیسائیوں نے گھڑ لی تھی ہم نے فرض نہیں کی تھی۔

یعنی انہوں نے اپنی مرضی سے رہبانیت کو اختیار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔اس سے پتہ چلا کہ رہبانیت کو ترک دنیا نہیں کہتے ، بلکہ وہ تو کام چور لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ان کا کام کرنے کو دل نہیں کرتا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم توکل پر زندگی گزار رہے ہیں۔ترک دنیا کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں کو ہیچ سمجھے اور یقین جانے کہ لذتوں کو پورا کرنے کی جگہ آخرت ہے۔جس نے دنیا کو بقدر ضرورت استعمال کیا وہ انسان کامیاب رہا اور جو لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گیا وہ برباد ہو گیا۔اس لئے انسان دنیا میں تو رہے مگر دنیا کا طلبگار نہ بنے۔اور وہ سوچے کہ

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

ہم دنیا کے بازار سے تو گزریں مگر دنیا کے خریدار نہ بنیں۔انسان بازار سے تو گزرتا ہے مگر وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔سو طرح کی ٹریفک ہوتی ہے مگر وہ ان کی طرف کان بھی نہیں دھرتا، وہ فقط گزر رہا ہوتا ہے اسی طرح ہم جب بازار سے گزر رہے ہوتے ہیں تو کبھی پیلا چہرہ نظر آتا ہے، کبھی نیلا چہرہ نظر آتا ہے، پھنسانے کے لئے شیطان کے کئی پھندے راستے میں موجود ہوتے ہیں، شیطان کے چلتے پھرتے کئی جال نظر آتے ہیں۔ہم اس دنیا میں تو رہیں مگر شیطان کے جالوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

ترک لذات دنیا کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ انسان اچھے کھانے چھوڑ دے بلکہ اسے اللہ رب العزت کی طرف سے جو رزق ملے وہ اسے استعمال کرے مگر اس کے دل میں مال و دولت جمع کرنے کی ہوس نہ ہو۔اسے جو مل جائے وہ اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کرے گا۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے اکابر سے یہ معرفت والا سبق ترک دنیا کے ذریعے سیکھا تسبیحات کے ذریعے نہیں۔

ایک بچے کی عملی نصیحت:

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک آدمی اپنے بیٹے کو لایا اور عرض کیا، حضرت ! اس کے لئے دعا فرمادیں...... یہ ایک اچھی عادت ہے۔ پہلے زمانے میں بھی لوگ اپنی اولاد کے لئے اللہ والوں سے دعا کرواتے تھے۔ اللہ کرے کہ ہمیں بھی اللہ والوں کی دعا لگ جائے۔ یہ اور بات ہے کہ کئی مرتبہ لوگ اپنے بیٹوں کو لے کر دعائیں کروانے کے لئے آتے ہیں مگر باپ کی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے کہ پہلے اس کے لئے دعا کرنے کو دل کرتا ہے کہ اللہ اس کو ہدایت دے...... خیر، ان اللہ والوں نے اس کے بیٹے کے لئے دعا کردی۔ ان کے پاس جیب میں کوئی میٹھی چیز تھی۔ انہوں نے نکال کر اس بچے کو دینا چاہی۔ جب انہوں نے وہ چیز بچے کی طرف بڑھائی تو بچے نے منہ پھیر لیا اور اپنے والد کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ حالانکہ بچپن میں بچے کے اندر میٹھی چیز کھانے کا شوق شدید ہوتا ہے۔ ان بزرگوں نے پھر ارشاد فرمایا، لے لو۔ بچے نے پھر اس چیز سے نظریں ہٹا کر اپنے باپ کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ اس کے والد نے اسے کہا، بیٹا! حضرت آپ کو چیز دے رہے ہیں لے لو۔ جب باپ نے اجازت دے دی تو بچے نے ہاتھ بڑھایا اور وہ چیز لے لی۔

جب بچے نے وہ چیز لے لی تو ان بزرگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آدمی حیران ہو کر پوچھنے لگا، حضرت ! آپ کیوں روئے؟ وہ فرمانے لگے کہ ہم سے تو یہ بچہ اچھا ہے کہ میں نے اس کو ایسی چیز دی جس کی طلب اس کے اندر شدید ہے لیکن اس نے اس چیز کو نہیں دیکھا بلکہ آپ کی طرف دیکھا کہ میرا ابا مجھے کیا کہتا ہے، اے کاش! ہم جو گلیوں میں چلتے ہیں اور ہماری نظروں کے سامنے بھی جاذب نظر شخصیتیں آتی ہیں، ہم بھی ادھر سے نظر پھیر کر دیکھتے کہ رب تعالیٰ ہمیں کیا کہتے ہیں۔

خطرناک جادوگرنی:

نبی علیہ الصّلوٰۃ السّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا اَسْحَرُ مِنْ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۔ کَانَ سِحْرُ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِہٖ۔وَھٰذِہٖ السَّحَارَۃُ بَیْنَ الْعَبْدِ وَرَبِّہٖ۔ دنیا ہاروت اور ماروت سے بھی بڑی جادوگرنی ہے۔ ہاروت اور ماروت کا جادو میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتا تھا اور دنیا ایسی جادوگرنی ہے جو بندے اور پروردگار کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔

ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں کی آزمائش کے لئے جادو کا علم دے کر بھیجا مگر انسانوں کو اس کے سیکھنے اور استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ ان کے پاس جو بھی جادو کا علم سیکھنے کے لئے آتا وہ ان کو بتا دیتے کہ یہ نقصان دہ ہے، لیکن غافل لوگ پھر بھی سیکھتے تھے۔ اس جادو کے ذریعے وہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے تھے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ دنیا ایسی جادوگرنی ہے جو بندے اور پروردگار کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ کسی باخدا شاعر نے کیا خوب کہا:

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ
وَ لَیْسَ لِلّٰہِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٌ

تو دنیا کی جس چیز سے بھی جدا ہوگا تیرے لئے ہر چیز کا بدل موجود ہے۔
لیکن اگر تو اللہ سے جدا ہوا تو تیرے لئے کوئی بدل موجود نہیں ہوگا

ایک انمول نصیحت:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سیدنا صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نام آتا ہے۔ وہ آتش پرست کے بیٹے تھے۔ وہ کئی اساتذہ سے ہوتے ہوئے بالآخر نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی علیہ السّلام نے ان کو اصحاب صفہ کا مانیٹر (نگران) بنا دیا۔ نبی علیہ السّلام کو ان سے اتنی محبّت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

السلمان منا اهل البيت سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہے۔ جب نبی علیہ السّلام نے ہجرت مدینہ کے بعد صحابہ کرام کی مواخات کروائی اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے حالات سنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیت المقدس چلے گئے اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ انہوں نے وہاں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور یہ تحریر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَنِیْ فِیْ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسِ وَاٰتَانِیَ اللّٰهُ مَالاً وَّ اَوْلَادًا۔ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے مقدس جگہ پر وارد ہونے کی توفیق بخشی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مال بھی خوب دیا ہے اور اولاد بھی خوب عطا فرمائی ہے)

جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ پڑھا تو آپ نے اس خط کے جواب میں فرمایا:

فاعلم یا ابا الدردا ان الارض المقدس لا تقدس الانسان و لٰكن تقدس الانسان باالاعمال الصالحه و الاخلاق الفاضلة فيلٰيت اعطاك الله بدل المال علما نافعا وبدل الاولاد عملا صالحا۔

اے ابوالدرداؓ! آپ اس بات کو جان لیجئے کہ مقدس جگہ کی وجہ سے انسان مقدس نہیں بنا کرتا بلکہ انسان کا تقدس تو نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اے کاش! اللہ تعالیٰ تجھے مال کے بدلے علم

نافع عطا فرما دیتا اور اولاد کے بدلے عمل صالح عطا فرما دیتا۔

اس بات سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ صحابہ کرامؓ کی نظر کس چیز پر رہتی تھی۔ وہ دنیا کی ان چیزوں کی طرف نہیں بھاگتے تھے بلکہ ان کی نظر ہمیشہ آخرت کی طرف رہتی تھی۔

عقل معاش اور عقل معاد:

اہل اللہ کے مطابق عقل دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) عقل معاش

(۲) عقل معاد

عقل معاش وہ عقل ہوتی ہے جو دنیا کے فائدے سوچنے والی ہو۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگ دنیا کے معاملے میں بڑے تیز ہوتے ہیں مگر وہ دین کے معاملے میں کہتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ سمجھ ہی نہیں ہے۔ عقل معاد اس عقل کو کہتے ہیں جو ہر چیز میں آخرت کی طرف رجوع کرنے والی ہو۔ انبیائے کرام علیہم السّلام دنیا میں عقل معاد لے کر تشریف لائے، اور پھر ان کے صدقے ایمان والوں کو بھی عقل معاد نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے اللہ والوں کے پاس بھی عقل معاد ہوتی ہے اور وہ بھی ہر چیز کو آخرت کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں، ایک مثال سے بات واضح ہو جائیگی۔

اچھی سنگت کا انعام:

ایک آدمی سنگترے بیچ رہا تھا اور آواز لگا رہا تھا۔ ''چنگے سنگترے، چنگے سنگترے'' ایک اللہ والے ان کے قریب سے گزرنے لگے۔ انہوں نے جب اس کی آواز سنی تو ان پر عجیب حال طاری ہوا۔ وہ اونچی آواز سے اللہ، اللہ کہنے لگے۔ جب ان کو افاقہ ہوا تو کسی نے پوچھا، حضرت! کیا بنا؟ حضرت نے فرمایا، کیا تم نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ اس نے کہا، حضرت! وہ تو سنگترے بیچ رہا تھا اور وہ سنگترے بیچتے

ہوئے آواز لگا رہا تھا۔ ''چنگے سنگترے چنگے سنگترے''۔ حضرت نے فرمایا، نہیں تم سمجھے ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''چنگے سنگ ترے'' یعنی جو اچھوں کے سنگ لگ گئے وہ تر گئے۔ یا یوں سمجھیں کہ جو نیکوں کے ساتھ جڑ گئے ان کی کشتی کنارے لگ گئی۔

یہیں سے فرق دیکھ لیجئے کہ دنیا دار نے اس چیز سے دنیا کو سوچا اور اللہ والوں نے اس چیز سے آخرت کو سوچا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے ہوتے تو دنیا میں ہیں لیکن وہ دنیا سے دھوکا نہیں کھاتے۔ ان پر دنیا کا مکر وفریب واضح ہو چکا ہوتا ہے۔

سانپوں کا منتر:

جن لوگوں کو سانپ کا منتر آتا ہے وہ سانپ پکڑ لیتے ہیں مگر سانپ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ ہم نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہمارا ایک واقف آدمی تھا۔ وہ قریب ہی رہتا تھا۔ اسے سانپ پکڑنے کا فن آتا تھا۔ اللہ کی شان کہ وہ ایک ایک میٹر کالے سانپ پکڑ کر لے آتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک سانپ سویا پڑا تھا۔ وہ آدمی اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر اس کے قریب سے گزرنے لگا۔ اس کے دوست نے کہا، یہ سانپ پڑا ہے۔ وہ کہنے لگا، یہ سویا ہوا ہے، سوئے ہوئے کو کیا پکڑنا۔ لہٰذا اس نے جا کر سانپ کو جگایا اور جب سانپ بھاگنے لگا، اس وقت اس نے اسے پکڑا۔ اس کا دوست کہنے لگا، تم نے تو سانپ کو پکڑ ہی لیا لیکن ہم تو سائیکل چلانے کیلئے نکلے تھے۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ اس نے سانپ کو لپیٹ کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس نے زندہ سانپ جیب میں ڈال کر سائیکل چلائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو سانپ کا منتر آتا ہے سانپ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

دنیا کا منتر:

یوں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ السّلام کی صحبت میں رہ کر دنیا کا منتر سیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ

دنیا میں تو رہے مگر دنیا نے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر دنیا کا منتر سیکھیں۔ پھر ہم دنیا میں تو رہیں گے مگر یہ ہمیں نقصان نہیں دے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کئی دفعہ محراب میں کھڑے ہو کر کہتے، **یَا صفرآء یا بیضآء غر غیری** (اے سونا! اے چاندی! کسی اور کو دھوکا دے) یعنی میں تیرے دھوکے میں آنے والا نہیں ہوں۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک عجیب بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عامۃ المسلمین تو یہ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا لشکر دریا میں سے بحفاظت گزر گیا مگر اہل علم کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ ان کے سامنے فتوحات کے دروازے کھلے تو دنیا کا دریا بہنے لگا اور وہ اپنے ایمان کو اس دنیا کے دریا سے بحفاظت بچا کر لے گئے۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آخرت کی فکر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر فکر آخرت تھی کہ ایک دفعہ انہوں نے پینے کے لئے پانی مانگا تو کسی نے شربت لا کر پیش کر دیا۔ وہ مشروب پیتے ہوئے رونے لگ گئے۔ کسی نے پوچھا۔ حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ مجھے قرآن مجید کی آیت یاد آ گئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو کہہ دیں گے: اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا (الاحقاف:20)

تم نے تو دنیا کی لذتیں دنیا میں سمیٹ لی تھیں، وہ تمہیں مل گئی تھیں، آج تمہارے لئے میرے پاس کوئی حصہ نہیں ہے۔

اب سوچیں کہ انہوں نے پانی مانگا اور اس کے بدلے میں شربت ملا تو اس کو پیتے ہوئے رونے لگ گئے کہ ایسا تو نہیں کہ آخرت کی لذتیں دنیا میں ہی مل رہی ہوں۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زہد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گزران بہت مشکل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کرامؓ بھی تھے انہوں نے مل کر مشورہ کیا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو بیت المال سے بہت کم مشاہرہ ملتا ہے، اسے بڑھانا چاہیے۔سب نے مشورہ کرلیا کہ اتنا بڑھانا چاہیے۔لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ امیر المؤمنین کو کون بتائے۔ اس کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔مشورے میں طے پایا کہ ہم ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس مشورہ سے آگاہ کردیتے ہیں اور وہ اپنے والد محترم کو یہ بات بتا دیں گی۔ چنانچہ انہوں نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنا مشورہ بتا دیا۔یہ بھی کہا کہ ہمارے ناموں کا علم امیر المؤمنین کو نہ ہو۔

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ موقع پا کر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ابا جان! کچھ حضرات نے یہ سوچا ہے کہ آپ کا مشاہرہ کچھ بڑھا دینا چاہیے۔کیونکہ آپ کا وقت تنگی میں گزر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کس کس نے مشورہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کا نام نہیں بتاؤں گی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حفصہ! اگر تو مجھے نام بتا دیتی تو میں ان کو ایسی سزا دیتا کہ ان کے جسموں پر نشان پڑ جاتے کہ یہ لوگ مجھے دنیا کی لذتوں کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔ اور پھر فرمایا، حفصہ! تو مجھے بتا کہ تیرے گھر میں نبی علیہ السّلام کی گزران کیسی تھی؟

سیدہ حفصہؓ نے جواب میں کہا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہننے کے لئے ایک ہی جوڑا تھا۔دوسرا جوڑا گیرو رنگ کا تھا جو کبھی کسی لشکر کے آنے پر یا جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، کھجور کی چھال کا ایک تکیہ، ایک کمبل تھا جسے سردیوں میں آدھا اوپر اور آدھا نیچے لے لیتے تھے اور گرمیوں میں چار تہہ کر کے نیچے بچھا لیتے تھے، میرے گھر میں کئی دنوں تک چولہے میں آگ بھی نہیں جلتی تھی، میں نے ایک مرتبہ گھی کے ڈبے کی تلچھٹ سے روٹی کو چپڑ دیا تو نبی علیہ السّلام نے خود بھی اسے شوق سے کھایا اور دوسروں کو بھی

شوق سے کھلایا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حفصہؓ! نبی علیہ السّلام نے ایک راستے پر زندگی گزاری، ان کے بعد امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی راستے پر زندگی گزاری اور وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گئے ہیں، اگر میں بھی اسی راستے پر چلوں گا تو پھر میں ان سے مل سکوں گا اگر میرا رستہ بدل گیا تو منزل بھی بدل جائے گی...... سبحان اللہ...... ان حضرات کو یہ حقیقت سمجھ میں آچکی تھی کہ یہ دنیاوی زندگی ختم ہونے والی ہے اس لئے وہ ضرورت کے بقدر دنیاوی نعمتیں حاصل کرتے تھے اور لذتوں کو آخرت پر چھوڑ دیتے تھے۔

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا زہد فی الدنیا:

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے دل میں بڑی تمنا تھی کہ گھر میں کوئی سویٹ ڈش تیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کچھ پیسے دیں۔ امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس پیسے تو نہیں ہیں۔ ان کی اہلیہ نے سوچا کہ مجھے روزانہ کا جو تھوڑا تھوڑا خرچہ ملتا ہے میں اس میں سے بچاتی رہتی ہوں جب مناسب رقم جمع ہوگئی تو کوئی میٹھی چیز بنالوں گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن سویٹ ڈش بنائی، خود بھی کھائی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی پیش کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ پیسے کہاں سے آئے؟ کہنے لگیں کہ آپ مجھے جو روزانہ کا خرچہ دیتے ہیں میں نے اس میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر کچھ پیسے اکٹھے کئے اور آج یہ سویٹ ڈش بنائی ہے۔ آپ نے فرمایا، بہت اچھا، ثابت ہوا کہ یہ خرچہ ہماری ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا آپ نے اتنی مقدار آئندہ ماہ بیت المال سے لینا بند کردی۔

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

اللہ رب العزت نے جن صحابہ کرامؓ کو دنیا کا مال دیا وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے تھے تاکہ اللہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ رتبے پائیں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے خوب مال دیا تھا لیکن ان کے دل میں مال کی محبّت نہیں تھی۔ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بئرِ رومہ ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی مشکل کا سامنا تھا، وہ اس یہودی سے پانی خریدتے تھے۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی دشواری کا سامنا ہے تو وہ یہودی کے پاس گئے اور اسے فرمایا کہ یہ کنواں فروخت کر دو۔ اس نے کہا، میری تو بڑی کمائی ہوتی ہے میں تو نہیں بیچوں گا۔ یہودی کا جواب سن کر سیدنا عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ آپ آدھا بیچ دیں اور قیمت پوری لے لیں۔ وہ یہودی سمجھ نہ سکا...... اللہ والوں کے پاس فراست ہوتی ہے...... یہودی نے کہا، ہاں ٹھیک ہے کہ آدھا حق دوں گا اور قیمت پوری لوں گا۔ چنانچہ اس نے قیمت پوری لے لی اور آدھا حق دے دیا اور کہا کہ ایک دن آپ پانی نکالیں اور دوسرے دن ہم پانی نکالیں گے۔

جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے پیسے دے دیئے تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ میری باری کے دن مسلمان اور کافر سب بغیر قیمت کے اللہ کے لئے پانی استعمال کریں۔ جب لوگوں کو ایک دن مفت پانی ملنے لگا تو دوسرے دن خریدنے والا کون ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ یہودی چند مہینوں کے بعد آیا اور کہنے لگا، جی آپ مجھ سے باقی آدھا بھی خرید لیں۔ آپ نے باقی آدھا بھی خرید کر اللہ کے لئے وقف کر دیا۔

ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سامان سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ نبی علیہ السّلام کی خدمت

میں پیش کر دیئے۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ جنگ کے موقع پر سامان خورد ونوش کی ضرورت تھی اور قحط بھی تھا۔صحابہ کرامؓ بڑی مشکل کے حالات میں تھے۔انہی دنوں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ سامان سے لدے ہوئے شام سے آئے۔مدینہ کے سب تاجر خریدنے کے لئے پہنچ گئے۔وہ کہنے لگے کہ آپ جتنا منافع لینا چاہتے ہیں لے لیں۔آپ نے پوچھا۔کتنا منافع دو گے؟ ایک نے کہا کہ میں سو فیصد منافع دے دوں گا یعنی جتنے کا آپ نے یہ مال خریدا ہے اس سے دوگنا دینے کے لئے تیار ہوں۔آپ نے فرمایا، نہیں تھوڑا ہے۔دوسرے نے کہا کہ میں اس سے بھی دوگنا منافع دیتا ہوں، تیسرے نے اس سے بھی بڑھ کر کہا اور چوتھے نے اس سے بھی بڑھ کر کہا مگر آپ نے کہا کہ میں نہیں دیتا۔ہاں البتہ اس سے زیادہ کوئی دے سکتا ہے تو بتائے۔انہوں نے کہا کہ اس سے زیادہ تو کوئی نہیں دے سکتا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک ایسا گاہک ہے جس نے دس گنا کی تو پکی گارنٹی دی ہے، ویسے اس نے ستر گناہ بھی کہا ہے اور سات سو گنا بھی کہا ہے، بلکہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرہ:261) اور اس نے کہہ دیا ہے کہ میں بغیر حساب کے اس کا اجر دوں گا، چنانچہ یہ کہہ کر آپ نے سارا مال اسی وقت اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔سبحان اللہ۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار درختوں کی قربانی:

وہ صحابہ کرامؓ جو نئے نئے مسلمان ہوتے تھے نبی علیہ السّلام ان کی تالیف قلب کے لئے ان سے بہت زیادہ محبّت فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام تشریف فرما تھے۔ایک آدمی جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا ایک باغ ہے اور میرے ساتھ

ایک اور مسلمان کا باغ ہے، وہ مسلمان بوڑھا ہو چکا ہے، اگر میرے درختوں کی لائن سیدھی ہو تو اس میں اس کے دس درخت آجاتے ہیں، اس طرح میں حفاظت کے لئے دیوار بھی بنا سکتا ہوں۔ میں نے اس بوڑھے مسلمان سے کہا ہے کہ یہ دس درخت مجھے دو لیکن وہ بیچنے پر آمادہ نہیں ہے، لہٰذا آپ مہربانی فرما کر یہ درخت دلوا دیں۔

نبی علیہ السّلام نے اس بوڑھے صحابی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ......اچھا' بوڑھوں کی سمجھ بعض اوقات اپنی ہی ہوتی ہے کیونکہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ بوڑھا آدمی تو بتا بھی نہیں سکتا کہ اس کو کیا کیا تکلیف ہے۔ ایک بوڑھا آدمی کسی ڈاکٹر کے پاس گیا تو اس نے ڈاکٹر صاحب سے کہا، جی مجھے بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، بابا جی! یہ بڑھاپا ہے۔ بوڑھا آدمی پھر کہنے لگا، ڈاکٹر صاحب میرے سب دانت گر گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، جی یہ بڑھاپا ہے۔ بوڑھے آدمی نے پھر کہا، ڈاکٹر صاحب! مجھے کھانا ہضم نہیں ہوتا، ڈاکٹر صاحب نے کہا، جی یہ بڑھاپا ہے۔ وہ پھر کہنے لگا، ڈاکٹر صاحب! میں چلتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، جی یہ بڑھاپا ہے۔ بوڑھا آدمی بڑھاپے والا جواب بار بار سن کر تنگ آچکا تھا اور غصے میں کہنے لگا، یہ کیا بات ہوئی کہ ہر چیز بڑھاپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے، بابا جی! یہ بھی بڑھاپا ہے ......خیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ آپ کا یہ بھائی چاہتا ہے کہ اگر آپ اپنے دس درخت ان کو دے دیں تو ان کی لائن سیدھی ہو سکتی ہے۔ وہ بوڑھے صحابی رضی اللہ عنہ آگے سے پوچھتے ہیں، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کا حکم ہے یا آپ کا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ میرا حکم نہیں بلکہ مشورہ ہے، تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ وہ جواب میں کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں نہیں دینا چاہتا۔ جب اس بوڑھے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نہیں دینا چاہتا تو نیا مسلمان کچھ مایوس سا ہوا۔

اس کے بعد نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اسے نہیں دینا چاہتے تو میں اسے خریدنا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے دے دو۔ انہوں نے پھر پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مشورہ ہے۔ وہ کہنے لگے میں نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر وہ صحابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے لئے روانہ ہو نے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنو! تمہیں جنت کے درخت اس کے بدلے ملیں گے اور میں جنت میں بڑا باغ دلوانے کی ضمانت دیتا ہوں، اور تمہیں جنت میں گھر بھی ملے گا۔ لیکن وہ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! لا حاجة لی (اب مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے)، یہ کہہ کر چلے گئے۔

یہ بات ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ نے سنی جن کا ایک ہزار درختوں کا باغ تھا۔ وہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے جو خوشخبری اسے دی ہے کہ اگر تم یہ دس درخت دے دو تو تمہیں جنت میں باغ بھی ملے گا اور گھر بھی ملے گا، کیا یہ وعدہ اسی کے ساتھ تھا یا میرے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم خرید کر دے دو تو یہ وعدہ تیرے ساتھ بھی ہے۔ وہ کہنے لگے، بہت اچھا۔

وہ صحابی رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے اور کچھ دیر کے بعد بوڑھے میاں کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے بوڑھے میاں کو سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ وہ کہنے لگے، نہیں آپ ہی بتا دیں۔ کہنے لگے میں قبا کا فلاں امیر آدمی ہوں جس کا ایک ہزار درختوں کا باغ ہے۔ بوڑھے میاں کہنے لگے، ہاں ہاں اس کی تو میں نے بڑی شہرت سنی ہے۔ اچھا آپ وہی ہیں، آپ کے باغ میں تو بڑی اعلیٰ کھجوریں ہیں اور بہت زیادہ پھل دیتی ہیں۔ وہ کہنے لگے، اچھا آپ نے بھی میرے باغ کا تذکرہ سنا ہوا ہے۔ اب میں آپ کے ساتھ ایک سودا کرنے آیا ہوں۔ بوڑھے میاں کہنے لگے، وہ کیا؟ انہوں نے کہا، آپ کے جو یہ دس درخت ہیں یہ مجھے دے دیں اور میرا ہزار درختوں والا باغ آپ لے لیں۔ یہ سن

کر ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی ......وہ بوڑھے میاں تھے اور انہی پر ان کی گزران تھی اس لئے وہ چھوڑ نا نہیں چاہتے تھے......لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ اس کے بدلے میں ایک ہزار درختوں کا باغ ملے گا تو وہ کہنے لگے، ٹھیک ہے میں تیرے ساتھ سودا کر لیتا ہوں۔ چنانچہ طے پا گیا کہ بوڑھے میاں نے ہزار درختوں کے بدلے دس درخت بیچ دیئے ہیں۔

وہ صحابی رضی اللہ عنہ یہ سودا کر کے نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وہ درخت مل گئے ہیں، اور اب میں وہ درخت آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کے بدلے تمہیں جنت میں مکان بھی ملے گا اور باغ بھی ملے گا۔

نبی علیہ السّلام کی مبارک زبان سے جنت کی ضمانت کی خوشخبری سن کر وہ ہزار درختوں کے باغ کے کنارے پر واپس آئے، باغ کے اندر داخل نہ ہوئے۔ وہیں کنارے پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی اور کہا، اے فلاں کی امی!...بیوی نے کہا، کیا بات ہے آپ اندر کیوں نہیں آتے۔ وہ کہنے لگے، میں اس باغ کا سودا کر چکا ہوں، اب یہ باغ میرا نہیں ہے بلکہ میں نے اسے جنت کے باغ کے بدلے میں اللہ کے ہاں فروخت کر دیا ہے، سامان اور بچوں سمیت باہر آ جا، میں ادھر ہی انتظار کروں گا۔ بیوی نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں، میں تجھ پر قربان ہو جاؤں تو نے زندگی میں پہلی دفعہ اچھا سودا کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا سامان اور بچوں کو لے کر باغ سے باہر آ گئی اور انہوں نے وہ باغ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا......سبحان اللہ جن کا مال ایسا ہو کہ اللہ کے لئے آخرت کمانے کے لئے وہ اسے لگا رہے ہوں تو وہ مال تو ان کے لئے بہترین سواری ہے اور اگر مال لذت دنیا کی خاطر ہو تو پھر وہ نقصان دہ ہے۔

مالدار یا مال کے چوکیدار:

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کچھ لوگ مال دار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مال دار تو وہ ہوتے ہیں کہ جن کے پاس مال ہو اور اللہ کے راستے میں خوب لگا رہے ہوں اور مال کے چوکیدار وہ ہوتے ہیں جو روزانہ بینک بیلنس چیک کرتے ہیں۔ وہ گنتے رہتے ہیں کہ اب اتنے ہو گئے اب اتنے ہو گئے۔ وہ بیچارے چوکیداری کر رہے ہوتے ہیں، خود تو چلے جائیں اور ان کی اولادیں عیاشیاں کریں گی۔

دنیا پانی کی مانند ہے:

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (الکھف:45) اور ان کو بتا دیں کہ دنیا کی زندگی کی ایسے ہے جیسے ہم نے اتارا پانی آسمان سے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی مثال پانی سے دی ہے۔ دنیا اور پانی میں آپ کو کئی چیزیں مشترک نظر آئیں گی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی قدر مشترک:

پانی کی صفت ہے کہ وہ ایک جگہ پر کبھی نہیں ٹھہرتا۔ اسے جہاں بہنے کا موقع ملے بہتا ہے۔ جس طرح پانی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا اسی طرح دنیا بھی کبھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ جہاں موقع ملتا ہے دنیا ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ جو بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دنیا ہے اس کے پاس سے دنیا روزانہ کھسک رہی ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہے۔ کسی کے پاس سے پچاس سال میں کھسکتی ہے، کسی کے پاس سے ستر

سال میں کھسکتی ہے اور کسی کے پاس سے سو سال میں کھسکتی ہے۔مگر بندے کو پتہ نہیں چلتا۔ یہ ہر بندے کے پاس جاتی ہے مگر یہ کسی کے پاس ٹھہرتی نہیں ہے۔اس نے کئی لوگوں سے نکاح کئے اور ان سب کو رنڈوا کیا۔ایک بزرگ نے ایک مرتبہ خواب میں دنیا کو ایک کنواری لڑکی کی مانند دیکھا۔انہوں نے پوچھا ،تو نے لاکھوں نکاح کیےاس کے باوجود کنواری ہی رہی؟ کہنے لگی ،جنہوں مجھ سے نکاح کیے وہ مرد نہیں تھےاور جو مرد تھے وہ مجھ سے نکاح کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔

اس لئے اللہ والے دنیا کی طرف محبّت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ان کی نظر میں مطلوب حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔لہٰذا ان کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے۔وہ آخرت کی لذتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بلکہ جب ان کو دنیا کی لذتیں ملتی ہیں تو وہ اس بات سے گھبراتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نیک اعمال کا اجر آخرت کی بجائے کہیں ہمیں دنیا ہی میں نہ دے دیا جائے۔

دوسری قدر مشترک:

دوسری قدر مشترک یہ ہے کہ جو آدمی بھی پانی میں داخل ہوتا ہے وہ تر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔اسی طرح دنیا بھی ایسی ہے کہ جو آدمی بھی اس میں گھسے گا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

تیسری قدر مشترک:

تیسری قدر مشترک یہ ہے کہ پانی جب تک ضرورت کے مطابق ہو فائدہ مند ہوتا ہے۔ اور جب ضرورت سے بڑھ جائے تو نقصان دہ ہوتا ہے۔اسی طرح دنیا بھی اگر ضرورت کے مطابق ہو تو بندے کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اور جب ضرورت سے بڑھ جائے تو پھر یہ نقصان پہنچانا شروع کر دیتی ہے۔ پانی کا سیلاب جب آتا ہے تو بند بھی توڑ دیتا ہے کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔اسی طرح جن لوگوں کے پاس بھی ضرورت سے بہت زیادہ مال ہوتا ہے وہ عیاشیاں کرتے ہیں اور شریعت کی حدود

کو توڑ دیتے ہیں۔ جو لوگ جوئے کی بازیاں لگاتے ہیں اور ایک ایک رات میں لاکھوں گنواتے ہیں۔ وہ ان کی ضرورت کا پیسہ تھوڑا ہوتا ہے۔ انہیں تو بالکل پرواہی نہیں ہوتی۔

چوتھی قدر مشترک:

ایک تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پانی کے ساتھ مشابہت اس لئے دی ہے کہ پانی کثیر مقدار میں ہو تو پاک ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا ذائقہ، اس کا رنگ اور بو نہ بدلے۔ اگر اس کا ذائقہ، رنگ یا بو بدل جائے تو وہ سارے کا سارا پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ جس پانی کا ذائقہ، رنگ اور بو نہ بدلے وہ پاک بھی ہوتا ہے اور پاک کرنے والا بھی ہوتا ہے۔

علمی نکتہ:

وضو میں چہرے کا دھونا ضروری ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہاتھ بھی دھوتے ہیں، کلی بھی کرتے ہیں اور ناک میں بھی پانی ڈالتے ہیں۔ یہاں ایک طالب علم کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وضو کی ترتیب میں سنت کو فرض پر مقدم کیوں کیا ہے، جبکہ حق یہ بنتا ہے کہ سنت پر فرض کو مقدم کیا جاتا اور سنتیں بعد میں ہوتیں۔ فقہا نے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ جب کوئی آدمی پانی کے ساتھ وضو کرنے لگے گا اور وہ اپنے ہاتھ میں پانی لے گا تو اسے آنکھوں سے دیکھ کر پانی کے رنگ کا پتہ چلے گا، جب منہ میں ڈالے گا تو ذائقہ کا پتہ چلے گا اور جب ناک میں ڈالے گا تو اسے بو کا پتہ چل جائیگا۔ اس طریقہ سے جب اسے تسلّی ہو جائے گی کہ پانی کا رنگ بھی ٹھیک ہے، اس کا ذائقہ بھی ٹھیک ہے اور اس کی بو بھی ٹھیک ہے تو وہ شریعت کا حکم پورا کرنے کیلئے چہرے کو دھوئے گا۔

اسی طرح کسی کے پاس جتنا بھی مال کیوں نہ ہو، اگر حرام کی وجہ سے اس کا ذائقہ نہیں بدلا، اگر مشتبہات کی وجہ سے اس کا رنگ نہیں بدلا اور اگر زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس کی بو نہیں بدلی تو وہ سب کا سب

مال پاک ہوگا۔یعنی جس بندے کے اندر حرام مال آئے، مشتبہ مال آئے یا اگرچہ حلال مال آئے مگر اس میں تکبّر اور میں بھی آجائے تو پانی کی مانند یہ دنیا بھی ناپاک ہوجائے گی۔

دنیا کھیل تماشا ہے

اللہ رب العزت ایک اور جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ط وَ اِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:64)اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل تماشا اور آخرت کی زندگی تو ہمیشہ رہنے والی ہے کاش یہ جان لیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کو کھیل تماشے کے ساتھ تشبیہہ دی اس کی کئی وجوہات ہیں۔

☆ دنیا میں سب سے جلدی ختم ہونے والی چیز کھیل تماشا ہے۔جتنے بھی کھیل تماشے ہیں وہ چند گھڑیوں کے ہوتے ہیں۔سکرین پر تماشا دیکھیں تو بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے اور سرکس کا تماشا بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے، ریچھ بندر کا تماشا بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بھی دنیا کو کھیل تماشے کے ساتھ تشبیہہ دی ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ دنیا گھڑی دو گھڑی کا معاملہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں گے: مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (الروم:55) وہ نہیں کھڑے مگر ایک گھڑی۔

حتیٰ کہ کچھ تو یہاں تک کہیں گے

لَمْ يَلْبَثُوْآ اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (النزعت:46) وہ دنیا میں نہیں رہے مگر صبح کا تھوڑا سا وقت یا شام کا تھوڑا سا وقت۔سو سال کی زندگی بھی تھوڑی سی نظر آئے گی۔گویا

”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا“

حضرت نوح علیہ السّلام کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ تھی۔نوسو پچاس سال تو تبلیغ کی عمر تھی۔ پھر اس کے بعد عذاب آیا اور عذاب کے بعد بھی ساٹھ سال زندہ رہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو اللہ رب العزت نے ان سے پوچھا، اے میرے پیارے نبی! آپ نے دنیا کی زندگی کو کیسے پایا؟ انہوں نے جواب دیا، اے اللہ! مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے تھے، میں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے میں سے نکل آیا۔تو جب ایک ہزار سال کی زندگی یوں نظر آئے گی تو پھر دنیا کی سوسالہ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔

مرنے والے کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی تھوڑی دیر کی بات تھی۔آپ خود تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ آپ ذرا پرائمری سکول کی زندگی کو یاد کریں، آپ کو یوں محسوس ہوگا کہ کل کی بات ہے حالانکہ اس وقت کو گزرے ہوئے پچاس سال گزر گئے ہوں گے۔

☆ دنیا کو کھیل تماشے سے تشبیہ دینے میں دوسری بات یہ تھی کہ عام طور پر کھیل تماشا دیکھنے کے بعد بندے کو افسوس ہی ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بس پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی ضائع کیا۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشا دیکھتے ہیں وہ بھی بعد میں کہتے ہیں کہ بس ہم ایسے ہی چلے گئے، ہمارے کئی ضروری کام رہ گئے ہیں۔ دنیا دار کا بھی بالکل یہی حال ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت افسوس کر رہا ہوتا ہے کہ میں نے تو اپنی زندگی ضائع کر دی۔

☆ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج کل کے کھیل تماشے عام طور پر سائے کی مانند ہوتے ہیں۔سکرین پر تو نظر آتا ہے کہ بندے چل رہے ہیں مگر حقیقت میں ان کا سایہ چل رہا ہوتا ہے۔اور جو ان کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ سائے کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ دنیا کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے وہ بھی سایہ کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

دنیا مردار کی مانند ہے

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَطَالِبُوْهَا کِلاَبٌ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

یہ حدیث بڑی قابل غور ہے کہ نبی علیہ السّلام جوامت پر اتنے شفیق اور مہربان ہیں، ان کے یہ الفاظ ہیں کہ دنیا مردار ہے اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

حدیث پاک میں کوے کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتے کا لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ جس طرح کتا مردار کھاتا ہے کوا بھی مردار کھاتا ہے۔اس کے پیچھے کچھ حقائق ہیں۔

☆ مثال کے طور پر کوّے کو جہاں کہیں کوئی مردار ملتا ہے تو وہ اسے اکیلا نہیں کھاتا بلکہ وہ مردار دیکھ کر شور مچاتا ہے اور اپنی سب برادری اور قوم کو بلا لیتا ہے اور پھر وہ سب مل کر کھاتے ہیں۔لیکن کتا مردار کو ہمیشہ اکیلا کھاتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کتے کی بھی شراکت پسند نہیں کرتا۔اس کے سامنے اس کے قد سے بھی پانچ گنا بڑا مردار پڑا ہوتا ہے، وہ خود اکیلے اس کو کھا بھی نہیں سکتا مگر وہ دوسرے کو کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر کوئی دوسرا کتا آجائے تو وہ مردار کو چھوڑ کر اس کتے کے ساتھ لڑنا شروع کر دے گا۔ اور پھر جو زیادہ طاقتور ہوگا وہی اس کو کھائے گا۔یہی حال دنیا دار کا ہے۔وہ بھی دنیا کا سارا فائدہ خود لینا چاہتا ہے۔اگر چند بندے مل کر کام کریں تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح میرے کھاتے میں زیادہ آجائے۔وہ بھی دوسروں کو دینا پسند نہیں کرتا بلکہ سارے کا سارا خود لینا چاہتا ہے۔گویا اس کے اندر بھی کتے جیسی صفت ہے کہ جس طرح کتا اکیلا مردار کو کھانا چاہتا ہے اسی طرح یہ بھی ساری دنیا کے خزانوں کو اکیلا سمیٹنا چاہتا ہے۔

☆ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کوّا کبھی کسی مردہ کوّے کو نہیں کھاتا۔ بلکہ اگر کہیں پر مردہ کوّا پڑا ہو تو کوّے وہاں پر آنے سے کتراتے ہیں اور خوب شور مچاتے ہیں۔ جب کہ کتے کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اسے کسی مردار کتے کی ہڈیاں مل جائیں تو وہ ان کو بھی چبا لیتا ہے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے کہ وہ دنیا سے تو دھوکا کرتا ہی ہے، اگر اس کا کوئی بھائی بھی اس کے ساتھ کام کرے تو وہ اس کو بھی دھوکا دینے سے باز نہیں آتا۔ اس کمینی دنیا کی خاطر اپنا بن کر اپنوں کو دھوکا دیتا ہے۔ قریبی رشتہ دار آپس میں کام کرتے ہیں مگر دھوکا دے جاتے ہیں۔ گویا ان کے اندر بھی وہی بات ہوتی ہے جو کتے کے اندر ہوتی ہے۔

☆ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کوّا دوسرے کوّوں سے عبرت پکڑتا ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کوے کو مار کر لٹکا دے تو کوے قریب آنا چھوڑ دیں گے۔ وہ اس جگہ سے عبرت پکڑیں گے کہ اس نے جب ایک کوّے کو مار ڈالا ہے تو ہم بھی اگر ادھر گئے تو ہمیں بھی مار ڈالے گا، لیکن کتا دوسرے کتوں سے عبرت نہیں پکڑتا۔ یہی حال دنیا دار کا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے روزانہ دنیا دار مر رہے ہوتے ہیں اور ان کا برا انجام ہو رہا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا دار یہ چاہتا ہے کہ مجھے بھی دنیا مل جائے۔ ایک کرسی کو چھوڑتا ہے اور اسے سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے مگر دوسرا تیار رہوتا ہے کہ کرسی مجھے دے دی جائے۔ یہ تو روز کا تماشا ہے۔ آپ سنتے ہی ہیں کہ

رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں،

رات کو وزیر ہیں صبح کو اسیر ہیں،

رات کو وزیر اعظم ہیں صبح کو اسیر اعظم ہیں،

رات کو صدر ہیں صبح کو ملک بدر ہیں،

لیکن عبرت کوئی نہیں پکڑتا۔ ایک جاتا ہے اور کئی تیار ہوتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم سے پہلے والے

کا کیا انجام ہوا۔

☆ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر کوّا مردار کھاتا ہے تو وہ نرم گوشت کھاتا ہے اور ہڈیوں کو چھوڑ دیتا ہے لیکن کتا گوشت بھی کھاتا ہے اور ہڈیوں کو بھی چچوڑتا ہے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے کہ وہ پہلے جائز منافع کماتا ہے اور پھر سود در سود بھی کھاتا ہے۔ گویا ہڈیاں بھی چچوڑتا ہے۔

☆ایک نکتہ اور بھی ہے کہ اگر کسی جگہ پر مردار پڑا ہو اور کوّا اس میں سے کچھ کھائے بھی تو وہ رات کو اپنے گھونسلے میں چلا جاتا ہے۔ وہ رات کو اس مردار کے پاس نہیں ٹھہرتا۔ وہ دن میں اسے کھائے گا اور رات کو واپس چلا جائے گا۔ لیکن کتے کی عادت اور ہے۔ وہ دن میں اسے کھائے گا اور رات کو اس پر بیٹھ کر پہرہ دے گا تاکہ کوئی اور کتا اس پر قابض نہ ہو جائے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے۔ وہ سارا دن دکان کے اندر ہوتا ہے اور رات کو دکان اس کے اندر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ نماز بھی پڑھ رہا ہوتا ہے تو دکان اس کے اندر ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا کا طلبگار کتے کی سی عادات رکھتا ہے۔ صدق رسول اللہ ﷺ اللہ رب العزت ہمیں دنیا کا طلبگار بننے سے محفوظ فرمائیں (آمین ثم آمین)

دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ:

آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ دنیا کی محبّت ہے۔ ہر بندے کے دل کی تمنا ہے کہ

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (القصص:79) کاش! ہمارے پاس اتنا ہو جتنا کہ قارون کو دیا گیا ہے بیشک اس کی بڑی قسمت ہے۔

ہر بندے کی یہی تمنا ہے، الّا ماشاءاللہ۔

دنیا کیا ہے؟

اتنا کچھ سننے کے بعد دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر دنیا ہے کیا؟ مولانا رومؒ نے ایک جگہ پر بہت اچھے انداز میں یہ بات سمجھائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ اللہ رب العزت سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ مال، پیسے، بچے اور بیوی کا نام دنیا نہیں ہے۔

گویا جو چیز بھی انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہی دنیا ہے۔ خواہ کوئی چیز بھی ہو...... اگر وہ بیوی ہے تو وہ بھی وہ دنیا میں شامل ہوگی، اگر وہ بچے ہیں تو وہ بھی دنیا میں شامل ہوں گے، اگر وہ کاروبار ہے تو وہ بھی دنیا میں شامل ہوگا، مکان ہے تو وہ بھی دنیا میں شامل ہوگا اور اگر کوئی اور کام ہے تو وہ بھی دنیا میں شامل ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی مصلے پر بیٹھا ہوا بھی دنیا دار ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی دکان پر بیٹھا ہوا بھی دین دار ہو۔ یہ دل کی حالت پر منحصر ہے۔

دو آدمیوں کی قلبی کیفیت:

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ میں حج پر گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک آدمی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگ رہا تھا جب میں اس کے دل کی طرف متوجہ ہوا تو اس کا دل اللہ سے غافل تھا۔ وہ اس لئے کہ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی حج پر آئے ہوئے تھے، دعا مانگتے وقت اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہو رہی تھی کہ کاش میرے دوست مجھے دیکھتے کہ میں کیسے رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہوں۔ وہ آدمی یہ عمل اللہ کے لئے نہیں کر رہا تھا بلکہ دکھاوے کے طور پر کر رہا تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد منیٰ میں آیا اور میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اپنا مال فروخت کر رہا تھا۔ اس کے ارد گرد اتنا ہجوم تھا کہ وہ لوگوں

کے جھرمٹ میں گھرا ہوا تھا۔فرماتے ہیں کہ جب میں اس کے دل کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے اس کے دل کو ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں پایا۔یہی مقصود زندگی ہے کہ ہم اپنے کاروبار میں ہوں یا جہاں کہیں بھی ہوں، ہمارا دل ہر وقت اللہ رب العزت کی یاد میں لگا ہوا ہو۔یعنی دست بہ کار دل بہ یار،اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ص يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: 37)

وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوۃ دینے سے ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

نور نسبت کے طالب کے لئے ایک سنہری اصول:

لذات دنیا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ہمارے مشائخ نے یہ فرمایا ہے کہ سالن دراصل گوشت اور سبزی سے مل کر بنتا ہے گھی اور مرچ مصالحہ زوائد میں سے ہیں۔اگر کسی کے پاس یہ زائد چیزیں نہ بھی ہوں اور صرف سبزی ہی ابال لے تو سبزی سے ہی کام چل جائیگا۔اور اگر صرف گوشت ہو اور وہ اسی گوشت کو ابال لے تو بھی کام چل جائیگا۔لیکن اگر کسی کے پاس سبزی یا گوشت نہ ہو بلکہ فقط پانی گھی اور نمک مرچ ہو تو ان سے بھوک نہیں مٹ سکے گی۔اوراد و وظائف کی مثال نمک، مرچ اور دوسری زائد چیزوں کی مانند ہے اور ترک لذات دنیا اور ترک خواہشات نفسانی کی مثال سبزی اور گوشت کی مانند ہے۔لہٰذا جو آدمی چاہتا ہے کہ مجھے نسبت کا نور ملے تو اسے چاہئے کہ وہ دنیا کی لذات سے اجتناب کرے۔طلب چھوڑ دے۔کیونکہ اللہ نے جو رزق پہنچانا ہے وہ ضرور پہنچ کر رہے گا، دل میں دنیا کی ہوس اور اشتہا نہ رہے۔ حسن بصریؒ فرماتے تھے، ہم نے اپنے اکابر سے یہ معرفت والا سبق

ترک دنیا کے ذریعے سیکھا تسبیحات کے ذریعے سے نہیں۔

باطنی سفر میں آسانیاں:

ہمارے مشائخ کسی سے روزگار یا نوکری نہیں چھڑواتے تھے۔اس لئے آج ہم بھی آپ سے فارغ وقت مانگتے ہیں۔ یقین کیجئے کہ آج کا مسلمان اگر فارغ وقت بھی دین پر لگانا شروع کر دے تو اللہ رب العزت اس کی بھی بگڑی بنا دیں گے۔ کیونکہ روحانی مدارج طے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ذرا یہ بتائیں کہ پروردگار عالم نے ظاہری سفر میں آسانیاں کی ہیں یا نہیں؟ پہلے اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر ہوتا تھا جبکہ آج کل کے زمانہ میں لوگ بسوں، ٹرینوں، اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ پہلے ایک ہزار میل کا سفر کرنا ہوتا تھا تو انسان کو ایک مہینہ لگتا تھا۔ گھوڑے اور اونٹ پر لوگ ایک دن میں بیس میل کا سفر کرتے تھے۔ یہ ان کے ہاں ایک متفقہ منزل طے تھی۔ وہ بیس بیس میل کا سفر طے کر کے پڑاؤ ڈال دیتے تھے۔ اور آج کل کے دور میں اگر ہزار میل کا سفر کرنا ہو تو ایک گھنٹہ درکار ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو پروردگار اتنا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے ان کے ظاہری سفر میں آسانیاں پیدا فرما دی اس نے باطنی سفر میں کتنی آسانیاں پیدا کر دی ہوں گی؟ اس لئے آج کے دور میں باطن کا سفر کرنا بہت آسان ہے۔ ہر بندہ یہ سفر کر سکتا ہے۔ کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو باطنی سفر کر ہی نہیں سکتا۔ بلکہ بیمار بھی یہ سفر کر سکتا ہے، کام والا بھی طے کر سکتا ہے، بوڑھا بھی طے کر سکتا ہے اور جوان بھی طے کر سکتا ہے۔

خواہشات پوری کرنے کی جگہ:

ہمارے بزرگ دنیا کی لذتوں سے دور بھاگتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر ان میں لگیں گے تو انکی کوئی حد نہیں ہوگی۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضرورت کی ایک حد ہوتی ہے جبکہ خواہشات کی کوئی حد نہیں

ہوتی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دنیا میں اپنی ضروریات کو پورا کرو اور تمہاری خواہشات کو پورا کرنے کے لئے میں نے جنت بنا دی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (حٰم السجدہ: 31) اور تمہارے لئے اس جنت میں وہ کچھ ہوگا جو تمہارا جی چاہے گا اور وہ کچھ ملے گا جو تم مانگو گے۔

اس لئے یہ بات ذہن میں بٹھا لیجئے کہ خواہشات جنت میں پوری ہوں گی۔لہٰذا دنیا میں اپنی ضروریات پوری کیجئے اور اپنی زندگی گزارتے چلے جائیے۔

خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کی شان استغناء:

ہمارے مشائخ اللہ رب العزت کی یاد میں لگے رہتے تھے۔ان کی نظر میں انسان کی عظمت اس کے دین کی وجہ سے ہوتی تھی اور دنیا کی وجہ سے ان کے ہاں انسان کی عظمت نہیں ہوتی تھی۔

خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں میں سے تھے۔وہ ایک فقیر آدمی تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں قبولیت عامہ تامہ دی ہوئی تھی۔ان کی خانقاہ پر وقت کے امیر کبیر لوگ بھی آتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ آج ساری خانقاہ کی صفائی کرو۔اس زمانہ میں چپس کے فرش تو نہیں ہوتے تھے بلکہ کچی مٹی ہوتی تھی۔جمعہ کا دن تھا۔اس لئے کچھ لوگ نہانے دھونے میں لگ گئے اور کچھ خانقاہ کی صفائی کرنے میں مصروف ہو گئے۔

حضرتؒ کے سر کے بال لمبے لمبے تھے۔انہیں سر میں کھجلی سی محسوس ہونے لگی۔سر میں کھجلی کبھی تو جوؤں کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی زیادہ دن نہ نہانے کی وجہ سے بھی خارش سی ہوتی ہے۔حضرتؒ کو خارش سی

محسوس ہوئی تو آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ ذرا میرے بالوں میں دیکھو کہ جوؤں کی وجہ سے خارش ہو رہی ہے یا کسی اور وجہ سے۔ اس نے کہا، جی بہت اچھا۔ اب حضرت بیٹھ گئے اور اس خادم نے جوئیں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ باہر لوگوں نے جھاڑو دینا شروع کر دیا۔ خوب مٹی اڑنے لگی۔

اللہ کی شان کہ عین اسی وقت سلطان محمود غزنوی حضرتؒ کی ملاقات کے لئے پہنچ گیا۔ جب مریدوں نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت آ گئے ہیں تو وہ گھبرائے کہ یہاں تو مٹی اڑ رہی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک بھاگا کہ میں حضرت کو بادشاہ کے آنے کی اطلاع دے دوں۔ اس نے اندر آ کر عجیب منظر دیکھا کہ حضرتؒ تو سر جھکا کر بیٹھے ہیں اور ایک خادم آپ کے بالوں میں سے جوئیں تلاش کر رہا ہے۔ اس مرید نے خادم کو اشارہ کیا کہ وہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں۔ جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں تو وہ خادم بھی گھبرا سا گیا اور اسی حالت میں اس نے کہا، حضرت! حضرت!...... حضرت نے اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو وہ پھر کہنے لگا، حضرت! وہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں۔ حضرت یہ سن کر فرمانے لگے ''اوہو! میں سمجھا کہ تیرے ہاتھ میں کوئی بڑی سی جوں آ گئی ہے'' اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کے دل میں دنیا کی کیا حقیقت ہوتی تھی۔

جب سلطان محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے پاس آیا تو حضرتؒ بیٹھے رہے۔ وہ خود آ کر حضرتؒ سے ملا۔ اس نے ملنے کے بعد ایک تھیلی میں کچھ پیسے حضرتؒ کو ہدیے کے طور پر پیش کئے مگر حضرتؒ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے پھر تھیلی پیش کی۔ حضرتؒ کے پاس اس وقت ایک خشک روٹی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اس تھیلی کے بدلے وہ خشک روٹی پیش کی اور فرمایا، اسے کھائیے۔ اب اس نے روٹی کا لقمہ تو منہ میں ڈال لیا لیکن خشک لقمہ اس کے گلے کے نیچے اتر نہیں رہا تھا، بلکہ وہ لقمہ اس کے گلے میں پھنس گیا۔ حضرتؒ نے جب دیکھا کہ اس کے گلے میں لقمہ پھنس چکا ہے تو پوچھا، کیا بات ہے، لقمہ نیچے

اترنہیں رہا؟ اس نے کہا، جی ہاں، نہیں اتر رہا۔ حضرتؒ نے فرمایا، آپ کی یہ تھیلی بھی اسی طرح میرے گلے سے نیچے نہیں اتر رہی۔ سبحان اللہ، ایسی نصیحت کی۔

بادشاہ جب حضرت کی محفل میں بیٹھا تو اس نے اثر قبول کیا۔ اس لئے جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو حضرتؒ اٹھ کر اس کے ساتھ خانقاہ کے دروازے تک گئے اور وہاں سے رخصت کیا۔ ایک مرید نے بعد میں حضرتؒ سے سوال پوچھا کہ حضرت! جب بادشاہ سلامت آئے تو آپ بیٹھے رہے لیکن جب وہ جانے لگے تو آپ ان کو دروازے تک چھوڑ کر آئے، اس میں کیا راز ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا، جب وہ یہاں آیا تھا تو وہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر آیا تھا اور اس کے دل میں تکبّر تھا، اس لئے ہم جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے۔ پھر ہم نے اس کے تکبّر کا علاج کیا۔ جب وہ کچھ دیر میرے پاس رہا تو اس کے دل میں اہل اللہ کی محبّت پیدا ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے اس کے اندر عاجزی آچکی تھی، لہٰذا میں نے اس عاجزی کی قدر کرتے ہوئے اس کو خانقاہ کے اس دروازے تک جا کر چھوڑا۔

سومنات کی فتح:

اسی ملاقات کے دوران بادشاہ نے کہا' حضرت! میں نے سومنات پر حملے کا ارادہ کیا ہے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے مقابلہ سخت ہے۔ مہربانی فرما کر دعا فرمادیں کہ اللہ ہمیں کامیابی عطا فرمائے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے دعا کے لئے عرض کیا تو حضرت کے پاس ایک جبہ پڑا ہوا تھا، انہوں نے وہ اٹھا کر بادشاہ کو دے دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور جب آپ ضرورت محسوس کریں تو آپ اس جبہ کو سامنے رکھ کر دعا مانگنا کہ اے اللہ! اگر اس جبہ والے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے تو اس کی برکت سے میرے اس معاملہ کو حل فرمادے۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ وہ جبہ لے کر چلا گیا۔

واپسی پر سلطان محمود غزنوی نے تیاری کر کے سومنات پر حملہ کیا۔اس وقت ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگ سب مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے تھے۔اس لئے کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں کمزوری آ رہی ہے تو اسے یاد آیا کہ حضرت نے تو مجھے ایک جبہ دیا تھا۔ چنانچہ اس نے اس آڑے وقت میں اس جبہ کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے بیٹھ گیا کہ اے مالک !اگر اس جبہ والے کا تیرے ہاں کچھ مقام ہے اور وہ تیرے دوستوں میں سے ہے تو اس کی برکت سے تو مجھے سومنات کا فاتح بنا دے۔ چنانچہ جنگ کا پانسہ پلٹا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سومنات کا فاتح بنا دیا۔

سومنات کی فتح کے کافی عرصہ بعد سلطان محمود غزنوی نے سوچا کہ میں حضرت کے پاس جا کر ان کا شکریہ بھی ادا کروں اور ان کو خوشخبری بھی سناؤں۔ چنانچہ وہ حضرتؒ کو ملنے کے لئے آیا۔اس نے حضرت کو سارا واقعہ سنایا۔ حضرتؒ نے اس سے پوچھا، آپ نے جبہ سامنے رکھ کر کیا دعا مانگی تھی؟ بادشاہ نے کہا، حضرت! دعا یہ مانگی تھی کہ اے اللہ! اگر اس جبہ والے کا تیرے ہاں کوئی مقام ہے اور وہ تیرے دوستوں میں سے ہے تو مجھے سومنات کا فاتح بنا دے۔ حضرت نے سن کر فرمایا،

”تو نے بہت سستا سودا کر لیا، اگر تو یہ دعا مانگتا کہ اے اللہ! اس کی برکت سے تو مجھے پوری دنیا کا فاتح بنا دے تو تجھے اللہ تعالیٰ پوری دنیا کا فاتح بنا دیتے“

جی ہاں، ان اللہ والوں کا اللہ کے ہاں ایک مقام ہوتا ہے۔ چونکہ انہوں نے زندگی نیکی اور تقویٰ پر گزاری ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی لاج رکھ لیا کرتے ہیں۔

خانقاہ کی مٹی کا ادب:

سلطان محمود غزنوی کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ وہ جنت کی سیر کر رہا تھا۔اس نے کہا، بھئی آپ تو دنیا کے بادشاہ تھے، اور آخرت میں تو بادشاہوں کا بڑا برا حال ہوتا ہے، ان کا تو لمبا چوڑا حساب

کتاب ہوتا ہے اور آپ کو میں جنت میں دیکھ رہا ہوں۔اس نے جواب میں کہا، ہاں میرا ایک چھوٹا سا عمل تھا لیکن پروردگار کو وہی عمل پسند آگیا جس کی وجہ سے میری مغفرت کر دی گئی۔اس نے پوچھا، وہ کونسا عمل ہے؟ کہنے لگا، میں ایک دفعہ ابوالحسن خرقانیؒ کی خانقاہ پر گیا تھا، وہاں لوگ جھاڑو دے رہے تھے جس کی وجہ سے مٹی اڑ رہی تھی، میں نے اس مٹی میں سے گزرتے ہوئے اس مٹی کو اس نیت سے چہرے پر مل لیا تھا کہ اللہ والوں کے کپڑوں اور بستروں کی مٹی ہے،اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تو نے میرے راستے میں نکلنے والے درویشوں کی مٹی کی قدر کی اس لئے اس کی برکت سے تیرے چہرے کو جہنّم کی آگ سے بری فرما دیتے ہیں۔سبحان اللہ۔

حضرت سالمؒ کی شان استغناء:

ہمارے اکابرین پر ایسے ایسے واقعات پیش آئے کہ انہیں وقت کے بادشاہوں نے بڑی بڑی جاگیریں پیش کیں مگر انہوں نے اپنی ذات کے لئے کبھی قبول نہ کیں۔حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالمؒ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تشریف لائے۔مطاف میں آپ کی ملاقات وقت کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک سے ہوئی۔ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا،حضرت! کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں تا کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں۔آپ نے فرمایا، ہشام! مجھے بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر غیر اللہ سے حاجت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ ادب الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہاں فقط اسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔ہشام لاجواب ہو گیا۔قدرتاً جب آپ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔آپ کو دیکھ کر وہ پھر قریب آیا اور کہنے لگا،حضرت!اب فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔آپ نے فرمایا، ہشام! بتاؤ میں تم سے کیا مانگوں، دین یا دنیا؟ ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپ کا شمار وقت کی بزرگ ترین ہستیوں میں ہوتا ہے،لہٰذا کہنے لگا،حضرت!

آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ دنیا تو میں نے کبھی دنیا کے بنانے والے سے بھی نہیں مانگی بھلا تم سے کہاں مانگوں گا۔ یہ سنتے ہی ہشام کا چہرہ لٹک گیا اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اللہ رب العزت کیا چاہتے ہیں؟

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَ مَا وَالَاہٗ (دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ کی یاد کے، اور جو اس کے قریب ہے)۔

یعنی ذکر کرنے والے اور جو ذکر کے قریب ہے یعنی اس کے اسباب، ان کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا ملعونہ ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت کیا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم ذکر کے ذریعے اپنی زندگی کو آخرت کی زندگی بنالیں اور دنیا سے اپنی زندگی کو ہم علیحدہ کرلیں۔ یہ چیز انسان کو علم اور ذکر سے نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا بنائی، اس نے کبھی بھی اس کو محبّت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے دنیا سے دل لگانے کی بجائے آخرت سے دل لگائیں۔ اس لئے ہمارے اسلاف کو دنیاوی زندگی تھوڑی دیر کی بات نظر آتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں کی عارضی لذتوں کے پیچھے کیا لگنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ہمیں آخرت کی لذتوں سے محروم کردیا جائے۔ اگر کسی نوجوان کے دل میں یہ بات آجائے تو سوچیے کہ اس کے لئے اپنے نفس کو کنٹرول کرنا کتنا آسان ہوگا۔ کیا وہ نفسانی لذتوں کے پیچھے بھاگے گا؟ نہیں، بلکہ اگر اسے گناہ کی پیشکش بھی ہوگی تو وہ بچے گا اور وہ کہے گا کہ میں فانی لذت کے پیچھے نہیں جاؤں گا کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بدلے میں آخرت کی لذتوں سے محروم

کر دیا جاؤں۔

اعتدال والا راستہ:

مومن کا کام یہ ہے کہ وہ رزق حلال کی کوشش کرے اور معاملہ اللہ تعالیٰ پہ چھوڑ دے۔ اگر اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے تنگ رزق دیں تو صبر کرے، شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔ مومن کے لئے دونوں طرف جنت ہے۔ یاد رکھیں کہ نتائج ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی تقسیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ (الزخرف:32) ہم نے ان کے درمیان رزق تقسیم کیا۔

ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہیں کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو دنیا میں تھوڑا رزق ملے گا اور وہ اس کے باوجود بھی اللہ رب العزت سے راضی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فرمائیں گے، اے میرے بندے! تو میرے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو گیا تھا، آج میں تیرے تھوڑے عملوں پر راضی ہو جاتا ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرما دیں گے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کھلا رزق دیں تو وہ شکر ادا کرے اور اگر وہ کسی کو تنگ رزق دے تو وہ صبر کرے، ایسا نہ ہو کہ رزق تنگ ہونے کی صورت میں وہ جھوٹ بولنا شروع کر دے یا دھوکا دینا شروع کر دے اور دوسرں کا مال غلط طریقہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور اگر مال زیادہ مل جائے تو اللہ کو بھول بھی نہ جائے۔ دیکھو، اسلام نے کیسا اعتدال کا راستہ دکھایا ہے کہ آدمی کے پاس مال بھی ہو اور اس کے ساتھ عجز بھی ہو۔

مال ایمان کے لئے ڈھال ہے:

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ دنیا کتنی اچھی ہے جو انسان کی آخرت کے بنانے میں استعمال ہو

جائے۔اس لئے معلوم ہوا کہ ساری دنیا بری نہیں ہے کیونکہ جو مال آخرت کے سنورنے کا ذریعہ بنتا ہے وہ انسان کے پاس اللہ کی نعمت ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہ فقیر تو کہتا ہے کہ آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کے لئے ڈھال ہے۔کیونکہ

حدیث پاک میں آیا ہے:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا قریب ہے کہ کہیں تنگدستی تجھے کفر میں نہ پہنچادے۔

یقین کیجئے کہ ہم نے لوگوں کو کفر کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔وہ تنگدستی کی وجہ سے چند پیسوں کی خاطر اپنا مسلمانوں والا نام بدل کر کفار والا نام اپنا لیتے ہیں۔آپ کو پتہ ہی ہے کہ کئی ملکوں میں بڑھتی ہوئی آبادیوں میں مشنریز کام کر رہی ہیں اور چند پیسوں کا ماہانہ وظیفہ دینے کے بدلے ان کا نام مسلمانوں سے عیسائیوں والا کروا کر دین کی دولت سے محروم کر دیتی ہیں۔

یادرکھیں کہ ہم آزمائشوں کے قابل نہیں ہیں اس لئے تنگدستی سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگیں اور جو اللہ رب العزت نے اچھے حال میں رکھا ہوا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

مرغابی کی طرح بنئے:

مرغابی ایک پرندہ ہے۔اس پرندے کی یہ صفت ہے کہ وہ پانی میں بیٹھتا ہے۔لیکن جب بھی اس کے لئے اڑنے کا وقت آتا ہے تو وہ پانی سے ہی اڑ جاتا ہے۔اسے اڑنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔علماء نے لکھا ہے کہ اسے اڑنے میں اس لئے رکاوٹ نہیں ہوتی کہ مرغابی پانی میں تو بیٹھتی ہے مگر اس کے پر اتنے ملائم ہوتے ہیں کہ وہ پانی میں بھیگتے نہیں ہیں، لہٰذا وہ اڑنے کے وقت فوراً اڑ جاتی ہے۔مؤمن کو بھی چاہیے کہ وہ مرغابی کی طرح بنے کہ اگر مال پانی کی طرح ہے تو یہ پانی کے اندر رہے مگر اپنے پروں کو بھیگنے نہ دے جب موت کا وقت آجائے تو یہ مرغابی کی طرح اڑان لگا کر اپنے اصلی گھر کی طرف چلا

جائے۔

بہترین خادم اور بدترین آقا:

مال کی مثال پانی کی سی ہے۔ کشتی کے چلنے کے لئے پانی ضروری ہے۔ مگر کشتی تب چلتی ہے جب پانی کشتی کے نیچے ہوتا ہے۔ اور اگر نیچے کی بجائے پانی کشتی کے اندر آجائے تو یہی پانی اس کے ڈوبنے کا سبب بن جائے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اے مؤمن! تیرا مال پانی کی طرح ہے اور تو کشتی کی مانند ہے ،اگر یہ مال تیرے نیچے رہا تو یہ تیرے تیرنے کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہاں سے نکل کر تیرے دل میں آ گیا تو پھر یہ تیرے ڈوبنے کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ اگر مال جیب میں ہو تو وہ بہترین خادم ہے اور اگر دل میں ہو تو بدترین آقا ہے۔

لاجواب کر دینے والا سوال:

ہم نے دیکھا ہے کہ جو انسان اللہ کے راستے میں جتنا زیادہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ دیتے ہیں۔ آپ میں سے کئی ذی حیثیت لوگ بھی بیٹھے ہیں۔ آپ کوئی ایک بندہ ایسا بتا دیں جس نے دین کے کاموں میں بہت زیادہ مال خرچ کیا ہو اور وہ بینکر پٹ ہو گیا ہو۔ کیا آپ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ آپ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے دنیا کے کئی ملکوں میں یہ بات پوچھی مگر آج تک کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ لیکن میں آپ کو ان لوگوں کی مثالیں دیتا ہوں جنہوں نے خوب دنیا کمائی اور دنیا کے اللّے تللّے میں پڑے رہے حتی کہ بینکر پٹ ہو گئے۔ سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ کروڑوں پتی بینکر پٹ ہو گئے۔ جو لوگ دنیا کما کر دنیا پہ لگا دیتے ہیں ان کو تو بینکر پٹ ہوتے دیکھا ہے لیکن دین کی خاطر بینکر پٹ ہونے والا کوئی ایک نہیں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ جو بندہ دین کے لئے جتنا بھی خرچ کرتا ہے پروردگار عالم اسے اتنا ہی زیادہ عطا فرما دیتے ہیں۔

منافع کی تجارت:

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک آدمی تھا۔ وہ بیچارہ بہت ہی غریب تھا، وہ نان شبینہ کو ترستا تھا۔ ایک دفعہ ان کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کہنے لگا، حضرت! آپ کلیم اللہ ہیں اور کوہ طور پر جا رہے ہیں، آپ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ فریاد پیش کر دینا کہ میری آنے والی زندگی کا سارا رزق ایک ہی دم دے دیں تا کہ میں چند دن تو اچھی طرح کھا پی کر جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کی فریاد اللہ رب العزت کی خدمت میں پیش کر دی۔ پروردگار عالم نے اس کی فریاد قبول فرما لی اور اسے چند بکریاں، گندم کی کچھ بوریاں اور جو چیزیں اس کے مقدر میں تھیں وہ سب عطا فرما دیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے کام میں لگ گئے۔

ایک سال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو خیال آیا کہ میں اس بندے کا پتہ تو کروں کہ اس کا کیا بنا۔ جب اس کے گھر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ اس نے ایک عالیشان مکان بنایا ہوا ہے، اس کے دوست آئے ہوئے ہیں، ان کے لئے دستر خوان لگے ہوئے ہیں، ان پر قسم قسم کے کھانے لگے ہوئے ہیں اور سب لوگ کھا پی کر مزے اڑا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام یہ سارا منظر دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ جب کچھ دنوں کے بعد کوہ طور پر حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہوئی تو عرض کیا، اے پروردگار عالم! آپ نے اسے جو ساری زندگی کا رزق عطا فرمایا تھا وہ تو تھوڑا سا تھا اور اب تو اس کے پاس کئی گنا زیادہ نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السّلام! اگر وہ رزق اپنی ذات پر استعمال کرتا تو اس کا رزق تو وہی تھا جو ہم نے اس کو دے دیا تھا، لیکن اس نے ہمارے ساتھ نفع کی تجارت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا، اے اللہ! اس نے کونسی تجارت کی؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، کہ اس نے مہمانوں کو کھانا کھلانا شروع کر دیا اور میرے راستے میں خرچ کرنا

شروع کر دیا، اور میرا یہ دستور ہے کہ جو میرے راستے میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے میں اس کو کم از کم دس گنا دیا کرتا ہوں، چونکہ اس کو تجارت میں نفع بہت زیادہ ہوا ہے اس لئے اس کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہے۔

دو چیزیں قیام کا سبب ہیں:

ایک اہم نکتہ سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو قیام کا سبب بتایا ہے۔ ایک بیت اللہ شریف کو اور دوسرا مال کو۔ جہاں کعبہ کو قیام کا سبب بتایا وہاں فرمایا جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (المآئدہ: 97) اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے۔

اور جہاں مال کو انسانوں کے لئے قیام کا سبب بتایا، وہاں ارشاد فرمایا:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النسآء: 5) اور تم اپنا مال بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو، جس کو ہم نے تمہارے قیام کا سبب بنایا ہے۔

یہاں مفسّرین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ بیت اللہ انسان کی روحانی زندگی کے قیام کا سبب ہے اور مال انسان کی جسمانی زندگی کے قیام کا سبب ہے، اس لئے اگر کسی کو اللہ نے مال دیا ہے تو وہ اس کو اللہ رب العزت کی نعمت سمجھے اور اس کو اپنی آخرت کے بنانے میں لگا دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت والا رزق عطا فرما دیں۔ ایسا مال عطا فرمائیں جو وبال سے خالی ہو اور ہم مال کو اپنی آخرت سنوارنے میں خرچ کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں ہر لمحہ آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرما دیں اور قیامت کے دن ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے (آمین۔ ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من